اردو ناول میں جدید دور کے نئے سماجی مسائل اور اس کا درد

ڈاکٹر واثق الخیر

wasujnu@gmail.com

جدید دور میں گوناگوں تجربات اور محیر العقل ایجادات کی بنیاد پر سماجی طور پر آسانیاں فراہم ہوئیں ہیں وہیں سماجی مسائل نے بھی جنم لیا ہے۔ اور یہ مسائل انسانی سماج کو جکڑ کر رکھ دیا ہے۔ جدید دور میں انسانی زندگی تہذیبی و اخلاقی بحران اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے کیوں کہ ہر شئے بناوٹی اور تجارتی ہوگئی ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ دوستی، محبت، اخلاق و مذہب، عزت و عصمت، علم و حکمت سب تجارتی شئے بن گئے ہیں۔ آج مادہ پرستی عام ہے اور ہر شعبے پر چھا گئی ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ جدید تہذیب کلیتاً مادی ہے۔ جسے انسان نے اس لیے نہیں اپنایا ہے کہ وہ اس کے مزاج اور فطرت سے ہم آہنگ ہے بلکہ انسان کو مشینی اور سائنسی ایجادات اور مادی ترقی کے سیلاب نے یہ موقع ہی نہیں دیا کہ وہ اس بارے میں سوچتا اور اس کے مثبت و منفی پہلوؤں پر غور و فکر کرتا۔ چنانچہ انسان اس سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہتا چلا گیا۔ عہد حاضر میں ہمارے سماج میں انسانیت اور تہذیب کا سب سے زیادہ فقدان ہے۔ نئی چیزوں کی ایجادات نے بلاشبہ دنیا کو مٹھی میں قید کر دیا ہے لیکن ساتھ ہی انسان کو بھی مشین ہی کی طرح مصروف اور بے حس بنا دیا ہے۔ آج کے اس مسابقتی دور میں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے انسان نے تمام حدوں کو پار کر لیا ہے۔ تہذیبی اقدار کی پامالی اور انسانوں میں سماجی و تہذیبی شعور دن بدن عنقا ہوتا جا رہا ہے۔ دور حاضر میں ہوسنا کی، مال و زر کی رغبت، جنسی خواہشات میں بڑے چھوٹے سبھی مبتلا ہیں۔ جدید علم نفسیات نے جنسی اور دیگر مذموم خواہشات کو بڑھاوا دے رکھا ہے۔ جس کے باعث نفوس آزاد

ہیں۔صبر وتحمل، سکون وراحت راندۂ درگاہ ہو چکے ہیں۔تعلیم اگر چہ عام ہے لیکن وہ طلبہ پیدا نہیں ہو رہے ہیں جو اخلاق و کردار کا بلند نمونہ ثابت ہوں۔کتب خانوں، کتابوں، رسالوں اور اخبارات کی کھلی نمائش ہے لیکن لوگوں کا گھٹیا قسم کی کتب جو غیر ادبی اور غیر معیاری یعنی شہوانی جذبات کو بھڑکانے والے ناول اور افسانے وغیرہ پڑھنے کی طرف رجحان زیادہ ہے۔جس سے لوگ اخلاق و مذہب اور روحانیت سے عاری ہو رہے ہیں۔ بہر حال جدید تہذیب غیر محسوس طریقے سے انسانوں کی زندگی پر حاوی ہو رہی ہے۔لوگوں نے نیکی و بدی کا امتیاز کھو دیا ہے۔ان تمام بداخلاقیوں اور گمراہیوں کو اپنا لیا ہے۔جن سے دور رہنے یا بچنے کے لیے مذہب وقانون انسان کی رہنمائی کرتے ہیں۔لیکن اب انسان نے مادی آسائشوں کے حصول کی خاطر مذہب وقانون اور تمام سماجی، تہذیبی واخلاقی ضابطوں کو پس پشت ڈال دیا ہے اور ایک ہی رنگ میں رنگے جا رہے ہیں۔ جو ہندوستان کی تہذیبی واخلاقی اقدار کے لیے بڑے چیلنجز ہیں۔ یہ وہ چیلنج ہے جس میں ہندوستانی تہذیب اور مغربی تہذیب آپس میں متصادم ہیں اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کے فراق میں ہیں جس میں کبھی مقامی تہذیب غالب آتی ہے تو کبھی مغربی تہذیب۔لیکن مغربی یعنی جدید تہذیب کے یلغار سے قدیم تہذیب کب تک بچ سکتی ہے۔جدید تہذیب اپنے نئے لالی پوپ سے پرانی تہذیب کو متاثر کرتی رہتی ہے اور اسے زیر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

ملک میں مذہبی، فرقہ وارانہ، نسلی، سیاسی، معاشی اور سماجی طور پر کئی مسائل عروج پر ہیں۔جن کی وجہ سے رویوں میں انتہا پسندی اس قدر پھیل چکی ہے کہ درمیانہ روی، یا اعتدال پسندی اور نرم مزاجی کو بے وقوفی سمجھا جانے لگا ہے۔اور یہی معاشرے کی بگاڑ کی بڑی وجہ ہے۔ملک میں قانونی پیچیدگیاں، مذہبی، معاشی اور سیاسی بھید، عدم مساوات ہی ان مسائل کی بنیادی وجہ ہے۔

ہندوستان کی آزادی سے قبل ہی سماج میں ہر سطح پر تبدیلی آ رہی تھی۔ایک طرف گاؤں میں زمین دار اور جاگیر دار طبقے کے ظلم کے خلاف آواز اٹھ چکی تھی تو دوسری طرف سرمایہ دار طبقے کے ظلم کے خلاف بھی پورے زور وشور سے آواز بلند ہونے لگی تھی۔ساتھ ہی ساتھ لوگ ملک میں

قابض انگریز سامراج کے خلاف بھی بغاوت کا اعلان کر چکے تھے۔ سماج اور معاشرے میں ہر طرف افراتفری کا ماحول گرم تھا۔ لوگوں کے درمیان بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ سماج میں نئی نسل کو نئی سمت دینے کے بجائے ہر کوئی اپنے مستقبل کو لے کر پریشان تھا۔ قلیل آمدنی، روزگار کی قلت اور رہن سہن کی مشکلات نے سماجی زندگی کو ٹوٹنے کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ بہتر زندگی اور روزگار کی تلاش میں لوگ گاؤں کی زندگی کو خیر آباد کہ کر شہر کی طرف روانہ ہو رہے تھے۔ شہری آبادی مختلف جگہ سے آئے ہوئے لوگوں سے بھر گئی۔ جس کی وجہ سے شہر کے اندر بے شمار مسائل ابھر کر سامنے آئے۔ سکون اور روزگار کی تلاش میں آئے ہوئے لوگوں کو شہری زندگی کے نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑا۔ وہی مسائل جو گاؤں میں جاگیردار اور زمیندار طبقے سے پیدا ہو رہے تھے اسی کی دوسری شکل شہر میں زمین مافیا، پونجی پتی، مکان مالک اور سرکاری عملے کے ذریعہ ہونے لگا۔

جدید دور کے اردو ناول نگاروں نے مذکورہ بالا باتوں کو بڑی فکرمندی سے لیا اور اپنے ناولوں کے ذریعے بدلتے تہذیبی منظرنامے اور ان کے چیلنجز کو بہت ہی اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے یہاں زندگی کی ماہرانہ ڈھنگ سے پیش کش موجود ہے۔ جس میں سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات سے آگہی کو بڑے سلیقے سے بڑتا گیا ہے۔ سماجی و تہذیبی کمزوریوں اور خوبیوں، اچھائیوں اور برائیوں کا بیان منصفانہ طریقے پر ملتا ہے۔

فکشن نگار غضنفر دور جدید کے ادب پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''بدلتے ہوئے تہذیبی، سماجی، سیاسی، ثقافتی، اقتصادی اور مذہبی منظرنامے کی اتھل پتھل، ناپائیداری، سراسیمگی اور اس میں نہاں انسان کی بنیادی کمینگی، خودغرضی اور ریاست اور بین الاقوامی سیاست کی مکاریوں کے قائم کردہ فلاحی ڈھونگ اور نئی اجارہ داریاں قائم کیے جانے کے سازش کے تحت ان سازشوں کو کمک پہنچانے والی نئی زمان میں پوشیدہ بغض وعناد آج کے ادیب کے لیے ادب تخلیق کرنے کے کاروبار کے واسطے اہم

محرکات بن رہے ہیں''۔ (1)

دور جدید کے ناول نگار اپنے ناولوں میں وہی کچھ پیش کر رہے ہیں جو ان کے تجربات و مشاہدات کا حصہ ہیں۔ زندگی کا کینوس اتنا وسیع اور رنگا رنگ ہے کہ اس کی نیرنگیاں اور حیرتناکیاں ہمارے لیے محرکات کا خزانہ سمیٹے ہوئے اس رسم کے انتظار میں چشم براہ رہتی ہیں جو اس عالمی سکھ دکھ میں شریک ہونے کا موقع دیتی ہیں۔ زندگی اور زمانہ ہمارے لیے نئے نئے تجربات، مطالبات اور واقعات کا مجموعہ ہماری حیرت، ٹکراؤ، خوف، تسکین اور تسلی، امید و بیم، یقین و گمان، انتظار اور اعتماد کی قوتوں کو بیدار رکھتا ہے اور زندگی کی معنویت، حیات و کائنات کے ربط اور رشتوں کے بارے میں سوال جواب کے سلسلے کو قائم کرتا ہے۔

خورشید عالم لکھتے ہیں کہ:

> ''گذشتہ دس پندرہ سال میں ہماری زندگی میں سماجی، سیاسی، معاشی اور فکری سطحوں پر نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ ہمارے جینے کا ڈھنگ بدلا ہے، سوچنے کا انداز بدلا ہے، قدروں کے پیمانے بدلے ہیں اور مسائل کی شکلیں بدلی ہیں۔ بنیاد پرستی، ذات پات، آدرشوں کا فقدان، دہشت گردی کا زور، ملٹی نیشنل کمپنیوں کی آمد، صارفیت کا غلبہ اور کالے دھنوں کے فروغ سے آج کی زندگی اثر پذیر ہوئی ہے۔ مزید یہ کہ الیکٹرانک میڈیا کی ترقی کے بعد آج کا فن کار قصباتی، شہری اور ملکی حدود سے نکل کر ساری دنیا سے جڑ گیا ہے یعنی اس کے تجربات اور مشاہدے کے لیے ایک بڑا کینوس تیار ہو گیا ہے''۔(2)

موجودہ دور میں ہندوستان میں تہذیبی و اخلاقی اقدار کو درپیش چیلنجز ہیں۔ ان چیلنجز کا عکس جدید دور کے ناولوں میں بخوبی دیکھنے کو ملتا ہے۔ اقبال مجید کا ناول ''نمک'' لکھنؤ کی تہذیبی و اخلاقی اقدار سے شروع ہو کر بیسویں صدی کے آخری عشرے کی مادی تہذیب پر ختم ہوتا ہے۔ جو

اس سوال کو اٹھاتا ہے کہ اکیسویں صدی کی نئی بنتی ہوئی تہذیب میں ادب اور پرانی تہذیب کی کوئی حقیقت باقی رہے گی بھی یا نہیں یا پھر انسان صرف کمپیوٹر میں فیڈ، لیپ ٹاپ کی فصیلوں پر منحصر اور کلون میں اسیر ہوکر رہ جائے گا۔ اسی طرح موجودہ تہذیب کے حساب سے کیا علم، کلچر اور اخلاقیات سے پرے رہے گا۔ ایک ہی سماج کی تین نسلوں کے ذریعہ تہذیبی و اخلاقی اقدار میں جو بڑی تبدیلی آتی ہے اس کو دکھایا ہے۔ تہذیبی و اخلاقی اقدار کے طور پر سب سے زیادہ چیلنجز تیسری اور نئی نسل کے سامنے آتے ہیں۔ یہ تیسری نسل پوتے پوتیوں، نواسوں نواسیوں اور ان کے نوجوان دوستوں کی ہے جو سائنسی ترقی کمپیوٹر، لیپ ٹاپ، انٹرنیٹ، موبائل وغیرہ میں الجھتے جاتے ہیں۔ یہ نسلیں ساری ترقیوں اور کامیابیوں کو مٹھی میں بند کرنا چاہتے ہیں جس میں وہ کامیاب بھی نہیں ہوتے ہیں۔ وہ منزلوں کی تلاش میں بھاگ رہے ہیں اس کے لیے وہ کبھی جنسی آسودگی کا سہارا لیتے ہیں اور کبھی نشیلی اشیاء کا استعمال کرکے بے راہ روی کے شکار ہوتے ہیں۔ سائنسی ترقی کے بے بنیاد فلسفوں اور منتشر خیالات اور طرز فکر کا اظہار کرکے ماضی سے ان کا کوئی سروکار نہیں رہتا۔ حال سے یہ مطمئن نہیں ہوتے اور مستقبل کا کوئی پتہ نہیں ہوتا ہے۔ ان نسلوں کے سامنے عالم کاری، ماس میڈیا اور جدید تکنالوجی ایک چیلنج کے طور پر سامنے آتی ہے۔ جس میں سارے لوگ تہذیبی و اخلاقی طور پر بہہ جاتے ہیں۔

ناول ''فرات'' میں حسین الحق نے ہندوستان کی قدیم تہذیب و اخلاق کے سامنے جو چیلنجز آرہے ہیں اور ان کی وجہ سے تہذیبی سطح پر جو تبدیلی آرہی ہے اس کا بے باکانہ اظہار کیا ہے۔ قدیم دور میں تعلیم کے معنی تھے اخلاقی طور پر بچوں کی پرورش۔ ان کتابوں میں اخلاق و آداب کی تعلیم دی جاتی تھی۔ لیکن آج کی مغربی تعلیم مادی حصول تک محدود ہوگئی ہے۔ ایسی صورت میں اخلاقی اور تہذیبی طور پر زوال آنا عین ممکن ہے۔ وقار احمد جب بچوں کو انگریزی کے اسباق رٹتے ہوئے سنتے ہیں تو ان کو اپنا بچپن یاد آجاتا ہے۔ یہاں دراصل بچپن کا یاد آنا یعنی تہذیبی و اخلاقی اقدار کو یاد کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"A for Apple, B for Boy, C for Camel, D for Dog."

''الف زبر آ، ب زبر با، ت زبر تا، ث زبر ثا، ج زبر جا۔۔۔۔۔''

اور پھر خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہوگئیں۔۔۔''(3)

انگریزی زبان کے تعلیم یافتہ یہ بچے جب بڑے ہوتے ہیں تو ان کے سامنے تہذیبی و اخلاقی طور پر چیلنجز ہوتے ہیں۔ کچھ تو نہ چاہتے ہوئے بھی ان چیلنجز کو قبول کیے جا رہے ہوتے ہیں۔ فیصل بھی انہی میں سے ایک ہے۔ جو ان چیلنجز کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس میں بہے جا رہا تھا۔ درج ذیل اقتباس دیکھیں جہاں پہلے میاں بیوی کے درمیان ایک پردہ ہوتا تھا لیکن اب حالت یہ ہے کہ بیٹیوں کے سامنے یہ والدین اپنے کپڑے بدل رہے ہیں۔ دراصل یہ تبدیلی اس کلچر کی وجہ سے ہے جو سماج کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔ حد تو یہ ہے کہ بیٹی اپنے بوائے فرینڈ کا ذکر کرتی ہے لیکن ماں اسے کچھ نہیں ٹوکتی ہے بلکہ باپ کے کہنے پر پرتپاک لہجے میں کہتی ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے جو بار بار ٹوکتے رہتے ہیں۔

''موسم کے حساب سے کون سا کپڑا پہنا جائے، سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بڑی ردوقدح کے بعد دونوں ایک دوسرے کے سامنے کپڑا بدلنے لگے۔ ابھی فیصل روز کی طرح بیوی کے بریزر کے ہک لگا ہی رہا تھا کہ ثمن اپنے بال نچوڑتی ہوئی آ گئی۔ مگر نہ فیصل کو کوئی ہچکچاہٹ ہوئی اور نہ اس کی بیوی کو اور نہ ہی ثمن کے لئے یہ کوئی نئی بات تھی۔''

''ممی، ممی میں کون سے کپڑے پہنوں؟'' ثمن نے وارڈ روب کھولتے ہوئے کہا۔

''یہ پہن لو۔'' ممی نے ایک جوڑا منی اسکرٹ اور انڈرویئر نکال کر اسے دیا۔

''مگر ممی، راکیش بولا تھا کہ آج ملکی کلر پہن کر آنا۔''

''راکیش کون بیٹے؟''، فیصل کے منہ سے بے ساختہ زوردار آواز نکلی۔

''میرا بوائے فرینڈ ہے پاپا۔''، ثمن نے بڑے ہی سرسری انداز میں جواب دیا اور ممی کی طرف مخاطب ہوگئی۔''ممی وہ کہتا ہے کہ ملکی کلر میں تم ایک دم اینجل لگتی ہو۔''، ثمن نے ممی کے گلے میں بانہیں حائل کرتے ہوئے کہا۔

''اچھا بابا یہ لو۔''، ممی نے ملکی کلر کا ایک سلیولیس منی اسکرٹ نکال کر دیتے ہوئے کہا اور جب وہ چلی گئی تو ممی فیصل کی طرف مڑی۔''کبھی کبھی آپ کو کیا ہو جاتا ہے؟ بچوں سے اتنی سختی کے ساتھ کیوں پیش آنے لگتے ہیں؟''

''ہاں۔۔۔۔۔ پتہ نہیں کبھی کبھی مجھے کیا ہو جاتا ہے؟''، فیصل کھوئے کھوئے لہجے میں بولا اور آپ ہی آپ اس کی نگاہیں اس کمرے کی طرف مڑ گئیں جہاں اس کے بابا وقار احمد سوئے ہوئے تھے۔''(4)

دور حاضر کی نئی نسلوں میں یہ عام سی بات ہوگئی ہے کہ وہ بلا روک ٹوک غیر محرم سے مل سکتے ہیں۔ نوجوان لڑکا لڑکی آپس میں دوستی کر سکتے ہیں یہاں تک کہ آپس میں اختلاط بھی قائم کر سکتے ہیں۔ مندرجہ ذیل کے اقتباس سے موجودہ دور کے اخلاقی اقدار کے حدود کا پتہ چلتا ہے کہ زمانہ قدیم میں کسی غیر محرم کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنا جرم عظیم سمجھا جاتا تھا لیکن آج کے دور میں سیکس کے علاوہ ہر چیز اخلاقی حدود میں آتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''دونوں ایک دوسرے کے قریب اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ دونوں کا ہاتھ ایک دوسرے کے زانوؤں پر تھا اور دونوں کے سر ملے ہوئے تھے، پھر تبریز نے سریکھا کے کندھوں پر سر ٹکا دیا۔۔۔۔ تبریز کے ہاتھ اس کی زلفوں سے کھیلتے رہے، پھر رخسار سے اٹھکیلیاں کرتے ہوئے ہونٹوں پر آ ٹکے، پھر گردن کی طرف چلے اور اس کے سینے پر شرارت کرنے لگے۔

''تبریز! آج کس عالم میں ہو؟'' سریکھا نے اس کے بال بکھرا دیئے۔

"I am upset darling, extrmely upset!"

''کیا ہوا؟ کیا بات ہو؟ مجھ سے کہو؟'' سریکھا نے اس کا چہرا اپنے ہاتھوں میں لے لیا، مگر جواب کے بجائے ایک عجیب سی خواہش نے سر اٹھایا۔ اس نے سریکھا کو لٹا دیا اور خود بھی لیٹ گیا اور جب اس نے سریکھا کو passionate کرنا چاہا تو وہ چونک پڑی۔

"what are you doing Tabrez?"۔۔۔تم پاگل ہو گئے ہو کیا۔

''کیوں؟ اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے؟ میں تمہارے پاس بیٹھ سکتا ہوں، تمہیں چھو سکتا ہوں، تمہارے گال، ہونٹ، بازو، سینہ، جسم کے ہر حصے پر ہاتھ پھیر سکتا ہوں۔ پھر فک کرنے کی خواہش کو پاگل پن کیوں کہ رہی ہو؟''(5)

علی امام نقوی کا ناول ''تین بتی کے راما'' میں بدلتی تہذیبوں کو ممبئی کی سماجی زندگی کے باطن کو گھریلو ملازمین کے ذریعہ پیش کرتا ہے کہ مہانگروں کے نوٹ زدہ معاشرے میں جائز و ناجائز طریقوں سے کمائی گئی دولت سیٹھ اور سرمایہ دار اپنی اکتاہٹ دور کرنے کے لیے کبھی شراب سے دل بہلاتے ہیں اور کبھی ملازموں سے مستفید ہوتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے کی بیویوں کی swapping کر کے جشن مناتے ہیں۔ دوسری طرف بھاری زیورات اور قیمتی ساڑیوں میں ملبوس سیٹھانیاں بھی گھریلو ملازموں کو پالتی ہیں۔ ناول میں بیویاں بدلنے کے کھیل کو بیان کر کے شہر میں تہذیبی و اخلاقی زوال کی داستان سنائی جا رہی ہے جو بڑے شہروں کے ایک کلاس میں فیشن اور شوق کے طور پر پروان چڑھ رہا ہے:

''اب ہم کا کہیں۔ سسرا ی بمبئی اور ای بمبئی کا لوگ باگ، دھرم، اونچ،

نیچ۔کونو بات کا کھیال ناہیں کرت ہیں

''لیکن ہوا کیا؟ موہن نے پوچھا

''اب ہم کا بتائیں بھیا۔تُہرے، ای سہرما تو سسرسب ہیں جات پات، رستہ، ناطہ۔اپن پوتر تا کھودیئے

''لیکن ہوا کیا یار؟

''ہوت کا مُئی؟ کل ہمرا سیٹھ پارٹی دیا۔ کھوب دارو چلی وہاں۔ دھاچوکڑی مچی۔ پھر ہم کا دیکھے بتائیں؟ سب مردوا، سب ہیں مہرارو، انکھین پر رومال باندھ لیئس اور بھیا آپس میں رل گئے۔ جونو مردوا کے ہاتھ جون مہرارو لگی۔ وہ اوکا لے کے پڑ گیئس

''کدھر

''اُٹھئین

''واہ۔۔۔۔ایک بولا

''کیا مجے دار بات ہے۔۔۔۔ دوسرے نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا

''تو، پٹی باندھا کہ نہیں۔۔۔۔انو نے پوچھا

''سوچت تو رہین۔ پر ہمار نصیب۔۔۔۔آڑے آئی گوا

''کیوں کیا ہوا؟ دھونڈو نے بھی مسکرا کر پوچھا

''کونو، مہرارو ناہیں بچی بھیا۔ اے کی جوروا و کے بغل میں رہی او کی جورو اے کے بغل ما۔''(6)

عصر حاضر میں برقیاتی میڈیا اور گلوبلائزیشن نے لوگوں کو دلوں سے تہذیبی قدروں کی اہمیت کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ مہانگر میں برے اثرات زیادہ مرتب ہوئے ہیں۔ اس ناول میں

ممبئی کے تاجروں، سرمایہ داروں، ان کی بیویوں اور گھریلو ملازمین کے درمیان جسمانی تعلقات کو دکھایا ہے کہ ان کے درمیان تہذیبی قدریں ختم ہوگئیں ہیں۔ ان سب کے درمیان ایک خاموش معاہدہ ہے جس کے تحت دولت مند ان ملازموں اور ملازماؤں کو من مانے طریقوں سے استعمال کرتے ہیں۔ اور بدلے میں انہیں چند روپیوں، اچھے کپڑوں اور مہنگے کھانوں وشرابوں کی رشوتیں دیتے رہتے ہیں۔ اس طرح فارم ہاؤس، پکنک مرکزوں اور پرائیوٹ فلیٹوں اور پرسنل بیڈروموں میں اس نئے معاہدہ، عمرانی تکمیل وتوثیق ہوتی رہتی ہے اور اس اعلی طبقہ کی شرافت واسٹیٹس کو بھی کوئی گزند نہیں پہنچتی۔ لیکن کبھی کبھی معاملات غلط رخ اختیار کر جاتے ہیں اور ان کے کارنامے منظر عام پر آنے لگتے ہیں تو یکدم انہیں اعلی سماجی مرتبہ اور طبقاتی وقار کی گراوٹ کا احساس ڈسنے لگتا ہے۔ آگے ایک اقتباس دیکھیں:

''سیٹھانی کے غصہ کا دریا اپنا رخ تبدیل کر چکا تھا۔
کچھ تو اسٹیٹس کا خیال کرتے۔۔۔۔۔ وہ دوکوڑی کا ڈرائیور ہمارے گھر
آ کر ہمیں گالیاں دے گیا۔ اس نے تمہارے سامنے مجھے اپنے ساتھ
سلانے کی بات کی۔ کیوں کہ تم نے اس کی دوکوڑی کی پریمیکا کو اپنے بیڈ
پر بلایا تھا۔ اسے اپنے ساتھ سلایا تھا۔۔۔۔۔ مجھے تمہاری حرکت پر نہیں
تمہاری چوائس پر اعتراض ہے۔ کتنا گھٹ گیا ہے تمہارٹیسٹ۔ جھاڑو کٹکا
کرنے والی سکوبائی۔ چھی چھی چھی۔۔۔۔۔''(7)

مذکورہ بالا اقتباس سے مٹتی ہوئی تہذیبی واخلاقی اقدار کا پتا چلتا ہے۔ قدیم اقدار کے سامنے جدید معاشرہ چیلنجز بن رہا ہے۔ اسی اقتباس میں دیکھیں کہ بیوی کے سامنے شوہر کے غلط حرکات کا راز افشاں ہونے کے باوجود بیوی کو اس بات پر اعتراض نہیں ہے کہ اس کا خاوند کسی دوسری عورت سے جسمانی تعلقات بناتا ہے۔ اعتراض ہے تو صرف اس کی چوائس پر کہ ایک جھاڑو وپوچھا کرنے والی کے ساتھ جسمانی تعلقات بنایا ہے۔ اگر یہی واقعہ کسی گاؤں میں ہوتا تو

بات طلاق کی نوبت تک آ چکی ہوتی۔لیکن مہانگر میں لوگ تہذیبی واخلاقی طور پر اتنا گر چکے ہیں کہ یہ واقعہ ایک معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس حمام میں گھر کے تمام افراد ننگے ہوتے ہیں۔

عبدالصمد کا ناول ''دھمک'' تہذیب وتمدن، معاشرہ اور سیاست مل کر اپنے عہد کے آشوب کی شکل اختیار کرتا ہے۔تہذیبی سطح پر معاشرہ کتنا گر گیا ہے۔اور معاشرہ کے سامنے کیا کیا چیلنجز پیدا ہو رہے ہیں۔اس کا اظہار اگلے اقتباس سے ہوتا ہے:

> ''ایک خاص ذات کے چند نوجوانوں نے سات کنواری، معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کی عزت کی دھجیاں اڑائی تھیں اور یہ شرمناک منظر ان کے گھر کے افراد کو دیکھنے پر مجبور کیا گیا تھا۔''(8)

دور حاضر میں قدیم تہذب کو جو چیلنجز آ رہے ہیں اس میں سے ایک سیاست بھی ہے جو اتنی گندی ہوگئی ہے کہ اس کی وجہ سے جو بھی اس میدان میں جاتا ہے وہ اس کے جال کا شکار ہو جاتا ہے۔ایک لڑکے کے حوالے سے بات کی گئی ہے کہ وہ لڑکیوں کی آبروریزی پر سخت احتجاج کرتے ہوئے جب سیاست کے میدان میں پہنچ جاتا ہے تو گندی سیاست ضمیر کی آواز کو دباتے ہوئے خود بے ضمیری کا شکار ہو جاتا ہے اور سیاست کے داؤں پیچ کو سیکھتے ہوئے سود وزیاں سے واقف ہو جاتا ہے۔اسی طرح ایک سماج سیوک عورت کے بارے میں ہے کہ وہ حاکموں کو عیاشی کا سامان فراہم کراتی ہے۔اس گورکھ دھندے کے لیے مظلوم لڑکیوں کو بھی شامل کر رکھا ہے۔جنھوں نے اپنی عصمت کے تار تار ہونے کے بعد اس کے یہاں پناہ لے رکھی ہے۔ایک اقتباس دیکھیں:

> ''عورت کے لیے کوٹھا اور سیاست کے گلیاروں میں زیادہ فرق نہیں۔لیکن سیاست ایک جوا ہے جب کہ کوٹھا ایک طے شدہ منزل۔''(9)

تہذیبی واخلاقی سطح پر آج کا سماج کس قدر بحران کا شکار ہے اس کا بیان حیران کن ہے۔کیوں کہ اس انسانی زندگی میں ہر کوئی بناوٹی زندگی گزارتا ہے۔اکثریت کو یہ بات ستاتی رہتی

ہے کہ وہ دوسروں کی نظر میں مالی طور پر زیادہ مضبوط دکھائی دے۔ یہی صورت حال سماج کے اندر بھی ہوتی ہے۔ لیکن جب یہ صورت حال نوجوان نسل کے اندر پیدا ہو جائے تو خطرناک صورت حال پیدا کر دیتی ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباس کے ذریعہ تہذیبی و اخلاقی زوال کو دکھایا ہے کہ کس طرح آج کی نوجوان نسل بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''جانتے ہو، ابھی کچھ دن پہلے اخبار میں کیا نکلا ہے۔۔۔۔؟''

''کیا۔۔۔۔؟ کیا شیلا کے بارے میں کچھ۔۔۔۔؟''

نام تو اس کا نہیں ہے لیکن سمجھو تو ہے۔۔۔۔''

''آخر کیا نکلا ہے۔۔۔۔؟''

''بڑے بڑے گھرانوں کی لڑکیاں ہوٹلوں میں جاتی ہیں رات بتانے۔۔۔۔''

''وہ تو شہر کے بڑے ہوٹلوں میں ہوتا ہی ہے۔ کسبیاں جاتی ہیں، ان کی لڑکیاں جاتی ہیں۔ چکلے کوٹھے بند ہو گئے تو ان کا کام کیسے چلے، ان کے لئے ہوٹل۔۔۔۔''

''یہی تو تم کو نہیں معلوم، ان ہوٹلوں میں کسبیاں نہیں، بڑے گھرانوں کی لڑکیاں جاتی ہیں اور بہت مہنگے داموں پر۔۔۔۔''

''لیکن بڑے گھرانوں کی لڑکیوں کو کیا ضرورت، وہ تو بچاری ضرورت کی ماری۔۔۔۔''

''اخبار والوں نے ان سے پوچھا تو انہوں نے صاف صاف جواب دیا کہ حرج کیا ہے، تھوڑا آنند بھی آیا، نت نئے مزے بھی اور پیسے بھی اچھے خاصے مل گئے۔۔۔۔''(10)

یہ دور اکیسویں صدی میں داخل ہو چکا ہے۔ قدیم اخلاقی و تہذیبی روایات کو مسمار کرنے

کے لیے طرح طرح کے ہتھیار وجود میں آ چکے ہیں۔ لاکھ جتن کرنے کے باوجود ان سے بچنا اب مشکل نظر آ رہا ہے۔ قدم قدم پر یہ چیلنجز دے رہے ہیں ہر جگہ اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ نئی نسل کے چال ڈھال اور عادات واطوار میں تبدیلی آ گئی ہے۔ یہاں تک کہ کپڑے وغیرہ بھی اس قدر ہیجانی پہننے لگے ہیں کہ لگتا ہی نہیں کہ کپڑا پہنے ہوئے ہے یا ننگے ہیں۔ جسم کے خدوخال پوری طرح عیاں ہوتی ہیں۔ ان نسلوں کو نہ اپنی عزت اور نہ ہی اپنے سے بڑوں کا خیال رہتا ہے۔ مشرف عالم ذوقی کے ناول 'پو کے مان کی دنیا' کا یہ اقتباس دیکھیں کہ کیسے باپ اپنی بیٹی کی حرکتوں پر شرمندہ ہو رہا ہے:

''میری نظر نے ایک بار پھر اس کا تعاقب کرنا چاہا مگر ہر بار بیٹی کا جسم آڑے آتا رہا۔ وہی تنگ کپڑوں میں ایک اکیلا جسم۔۔ جسے دیکھتے ہوئے باپ اپنی نظروں میں ننگا ہو جاتا ہے۔۔''(11)

حتی کہ عالم کاری، ماس میڈیا اور جدید تکنالوجی گھروں کے اندر رشتوں کے تانے بانے میں بھی داخل ہو گیا ہے۔ خونی رشتوں کے درمیان اخلاقی وتہذیبی گراوٹ پیدا کر دی ہے۔ نئی نسل کے اندر اخلاقی وتہذیبی گراوٹ اس قدر آ گئی ہے کہ وہ اپنے والدین کی پرواہ بھی نہیں کرتے ہیں کہ جو وہ کر رہے ہیں اس سے والدین کو کتنی کوفت محسوس ہوتی ہوگی۔ یہ چیلنج ہی تو ہے جو قدیم نسل کو ستائے جا رہی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

''یہ کون ہے''۔ میری لہجے میں سختی تھی۔

''مائی فرینڈ''

''رات کے دس بج رہے ہیں۔''

''بجتے ہوں گے۔۔۔۔۔''

''آج رات یہ۔۔۔۔۔''

''یہ یہیں رہے گا۔ میں نے بلایا ہے اسے۔''

''کہاں رہے گا۔۔۔۔''

''آو ویلسی۔میرے کمرے میں۔''

''سنو۔۔۔سنو،''اسینہہ کی آواز کی برف تھوڑی پگھلی تھی۔۔۔۔دور درشن سیرئل بناتا ہے۔

''مجھے لگا۔۔۔ وہ کیا کہتے ہیں۔۔۔ وہ جو گرپ ڈانس ہوتا ہے۔۔۔''

ریا، ماچومین کا ہاتھ پکڑے غصے میں اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔۔۔جانے سے پہلے وہ ایک لمحہ کے لیے رکی۔۔۔

میں سمجھتی تھی۔۔۔ میرے گھر میں ایجوکیشن ہے۔۔۔ شرافت ہے۔۔۔ مہمانوں کا کیسا استقبال کرتے ہیں۔آپ جانتے ہوں گے۔۔۔لیکن آپ لوگ شاید یہ سب بھول گئے،۔۔۔آئی ڈونٹ کیر۔۔۔آپ کس زمانے میں رہتے ہیں۔اور ہمیں کیا بنانا چاہتے ہیں۔۔۔ ہم نہیں بن سکتے۔۔۔ ہمیں بنانے کی کوشش مت کیجئے۔۔۔Remember آپ نے ہمیں پیدا کیا ہے۔۔۔کوئی احسان نہیں کیا۔۔۔آپ نہیں پیدا کرتے۔۔۔نہ کرتے۔۔۔کوئی نہ کوئی womb کہیں نہ کہیں ہمیں بنانے اور دنیا میں پھینکنے کے لئے تیار ملتی۔۔۔ہم ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو نہیں لیتے۔۔۔لیکن ڈیڈ۔۔۔ گھر کے مہمان کی بے عزتی کر کے آپ نے اچھا نہیں کیا۔یہ ویلسی ہے۔ ویلسی۔''

''وے۔۔۔لیس۔۔۔''

''نام دہرانے کی ضرورت نہیں ہے ڈیڈ۔ویلسی گوا سے آئے ہیں۔۔۔

دلی میں تین سال گزر گئے۔۔۔۔کوئی نہیں۔۔۔۔دوردرشن کے لئے یہ
پروگرام بناتے ہیں۔ہم ایک میوزک پروگرام کرنے جارہے ہیں۔اس
لئے میں نے ویلسی کو روک لیا ہے۔''اپنے کمرے میں، رات
کو۔۔۔۔؟''

''بس ڈیڈ۔آئی ڈونٹ کیر۔''(12)

سنیل کمار رائے سکتے میں آ گئے۔ان کی آواز سخت ہوگئی تھی۔ریا اپنے دوست کا ہاتھ پکڑے بغیر کسی ادب وتمیز کا لحاظ کیے اپنے ڈیڈ پر طنز کرتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ حقیقت تو یہی ہے کہ نئی نسل کے سامنے چیلنجز بہت ہیں۔جس کی زد میں آ کر نئی نسل بہک جاتی ہے۔ریا کے اندر بھی تبدیلی اسی چیلنجز کی وجہ سے آئی ہے۔ایسا صرف ریا کے ساتھ نہیں ہوا بلکی پوری نئی نسل اسی مرض میں مبتلا ہوگئی ہے۔بہکتی بہکتی اور رومانس کرتی ہوئی نئی نسل کچھ بھی کرسکتی ہے۔کچھ برا نہیں سب جائز ہے اور واقعی جوانی میں نہ کوئی تہذیب نہ کوئی آداب ولحاظ کا خیال رہتا ہے اور نہ ہی سنسکار۔ایک اقتباس اور ملاحظہ ہو:

''لالی کا رومانس چل رہا ہے''

''کیا۔۔۔۔۔؟''

میں زور سے چونکا۔۔۔۔۔

''جانتا ہے۔کیا بول رہا ہے۔۔۔۔۔''

''ہاں،ایک مسلمان لڑکے سے۔۔۔۔۔''

''لڑکے سے۔۔۔۔۔''

''کالج میں پڑھتا ہے۔''

نکھل ہنسا۔پہلے میں سمجھا،رتو کا دوست ہے۔آتا جاتا ہے۔مگر پھر راز کھلا
کہ لالی اس سے دلچسپی لے رہی ہے۔۔۔۔۔اب وہ دیر تک لالی کے

ساتھ گھومتا ہے۔ لالی دیر رات گئے اس کے ساتھ واپس آتی ہے۔ وہ لڑکا
بھی جانتا ہے کہ میں یہ حقیقت جان چکا ہوں۔ مگر یہ آج کے لڑکے ہیں۔
اور یہ آج کا رومانس ہے اور سن۔۔۔۔۔''
نکھل نے قہقہہ لگایا۔۔۔۔۔'' رتو اب گھر میں نہیں رہتی۔''
''تو پھر کہاں رہتی ہے۔۔۔۔۔؟''
میرے ذہن میں دھماکہ پر دھماکے ہو رہے تھے۔۔۔۔۔
''ایک فرنچ ایمبسی کا لڑکا تھا۔۔۔۔۔ پٹایا۔۔۔۔۔ آج کل اسی کے گھر
رہتی ہے۔ نو میرج، نو لپھڑا۔ میرا کیا ہے یار۔۔۔۔۔ اس سنسکار کا سب
سے دلچسپ اور خوش قسمت آدمی ہوں۔۔۔۔۔ کوئی جہیز نہیں۔ کوئی ٹینشن
نہیں۔ بیٹی بغیر شادی، اپنے دلہے کے گھر چلی گئی۔۔۔۔۔ اور پتنی نے
کالج کے ایک لڑکے سے رومانس شروع کر دیا۔۔۔۔۔''(13)

تہذیبی و اخلاقی اقدار کس طرح بحران کا شکار ہے اس کا درج بالا اقتباس سے خوب پتا چلتا ہے۔ جدید تکنالوجی نے جب سے دنیا کو عالمی تصور میں تبدیل کر دیا ہے اس وقت سے تہذیبوں کے تصادم کی وجہ سے اخلاقی قدروں کا زوال ہونا شروع ہو گیا۔ سماج کے اندر بھی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ آگے کے اقتباس سے پتا چلتا ہے کہ ان سب کے لیے کون ذمہ دار ہے۔ ملاحظہ ہو:

''مجھے پتہ ہے۔ سب پتہ ہے۔ لیکن میں نے ریپ نہیں کیا ہے۔ ریپ
تو۔ یار۔ تم لوگ Rape کہتے کسے ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ یہ
سب تو پاپا۔ ممی بھی۔۔۔۔۔ فلم میں دیکھو، ہال مارس دیکھتے ہو۔۔۔۔۔
زیڈ ایم جی ایم۔۔۔۔۔ فیشن ٹی وی۔۔۔۔۔ وہ بولے جا رہا تھا۔۔۔۔۔
پاپا کے کمرے میں کچھ میگزینس ہیں آپ نے Debonair پڑھا

ہے۔۔۔۔۔Fantacy۔۔۔۔۔ہم تو پو کے مان سے کھیلتے تھے۔بس
ایک دن۔۔۔۔۔''(14)

سید محمد اشرف کا ناول 'نمبر دار کا نیلا' کا کوئی کردار جدید تکنالوجی سے براہ راست متاثر نظر نہیں آتا ہے لیکن اودل سنگھ کے چھوٹے سے سماج میں فکری طور پر تضادات پایا جاتا ہے۔اودل سنگھ جو اپنی معیشت کو بڑھانے میں رات دن لگے رہتے ہیں اور قصبے میں اپنی سیاست کو مستحکم کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ان کے دولڑکے ہوتے ہیں جن کا مزاج ان سے جدا ہوتا ہے۔جبکہ دونوں لڑکوں کا آپس میں بھی مزاج نہیں ملتا ہے۔گویا اس چھوٹے سے سماج میں فکری طور پر تضاد پایا جاتا ہے۔بڑا لڑکا گاؤں کے لوگوں میں مصروف رہتا ہے کیوں کہ ان کے نزدیک سماج کی حسب ونسب کی بنیاد گاؤں کی زمین ہوتی ہے۔جبکہ چھوٹا لڑکا قصبے اور شہر میں دلچسپی لیتا ہے۔یہ کردار نئی نسل کی نمائندگی کرتا ہے۔جو بے راہ روی اور انتشار کا شکار رہتا ہے۔شادی شدہ ہونے کے باوجود دوسری لڑکیوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔آج کے دور میں ماس میڈیا اور جدید تکنالوجی جس طرح نئی نسل کو گمراہی کی طرف لے جارہا ہے اس کا عکس اودل سنگھ کے چھوٹے بیٹے میں دیکھی جاسکتی ہے۔درج ذیل اقتباس سے ہر ایک بات واضح ہورہی ہے۔ملاحظہ ہو:

''ٹھاکر اودل سنگھ شہر کی منڈی کی تبدیلیوں سے اپنی معیشت کو ہم آہنگ کرنے اور قصبے کی سیاست میں خود کو مستحکم کرنے اور دیہات کی آراضی سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش میں مستقل لگے رہتے۔ان کے بیٹے بھی ان کے مددگار تھے حالاں کہ یہ اور بات ہے کہ ان کا مزاج اور عادتیں ٹھاکر کے مزاج اور عادتوں سے قدرے مختلف تھیں۔خود دونوں بیٹوں کا مزاج ایک دوسرے سے بہت مختلف تھا۔۔۔۔بڑا پرتاپ اپنی بیوی کے ساتھ مگن، دیہات کے لوگوں میں زیادہ مصروف رہتا ہے۔اسے اندازہ تھا کہ ان کے خاندان کی ساکھ کی اصل بنیاد دیہات کی آراضی

ہے۔

چھوٹا اونکار دیہات، قصبے اور شہر تینوں میں دل چسپی لیتا تھا اور نتیجتاً کسی بھی ایک جگہ لگ کر کام نہیں کر پاتا تھا۔۔۔۔۔ باپ کا زیادہ منظور نظر وہی تھا۔۔۔۔۔ زندگی کے دوسرے مظاہر میں بھی اس کی دل چسپی زیادہ تھی۔ حالاں کہ پچھلے سال اس کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی تھی اور بیوی بھی بڑی خوب صورت اور چلبلی ملی تھی لیکن وہ قدرت کی دیگر نعمتوں کا منکر نہیں بننا چاہتا تھا۔'' (15)

اس دور کے ناولوں میں جا بجا اس طرح کی مثالیں مل جاتی ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری قدیم تہذیبی و اخلاقی قدروں کو درپیش چیلنجز ہیں۔ مشترکہ سماجی زندگی میں بھی رہ کر اپنی قدیم تہذیبی و اخلاقی قدروں کو بچانا مشکل ہو رہا ہے کیونکہ اس دور میں ہر طرف سے ان قدروں کو مٹانے کے لیے حملے ہو رہے ہیں۔ لوگ نہ چاہتے ہوئے بھی اس دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہماری تہذیبی و اخلاقی قدروں کو درپیش چیلنجز ہیں۔

☆☆☆

حواشی:

(1) مشمولہ ادب کا بدلتا منظر نامہ اور مابعد جدیدیت پر مکالمہ، اردو اکیڈمی دہلی، 1996

(2) مشمولہ ادب کا بدلتا منظر نامہ اور مابعد جدیدیت پر مکالمہ، اردو اکیڈمی دہلی، 1996

(3) حسین الحق، فرات، ص۔12

(4) حسین الحق، فرات، ص:102

(5) حسین الحق، فرات، ص۔153

(6) علی امام نقوی، تین بتی کے راما، ص۔151

(7) علی امام نقوی، تین بتی کے راما، ص۔145

(8) عبدالصمد، دھمک، ص۔92

(9) عبدالصمد، دھمک، ص93

(10) عبدالصمد، دھمک، ص۔81

(11) مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، ص۔18

(12) مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، ص۔92-93

(13) مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، ص۔221-222

(14) مشرف عالم ذوقی، پوکے مان کی دنیا، ص۔286-287

(15) سید محمد اشرف، نمبردار کا نیلا